مولانا مناظر احسن گیلانی اور علم التعلیم کی تشکیل جدید

امان اللہ راٹھور*

تعارف:

مولانا گیلانیؒ (۱۸۹۲ء۔۱۹۵۶ء) ایک علمی شخصیت تھے۔ ساری زندگی درس وتدریس سے وابستہ رہے۔ تحریر وتقریر سے علم اور تعلیم کا بندوبست کرتے رہتے۔ تعلیم کے میدان میں ان کی خدمات کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت:

مولانا کی یہ تصنیف دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول صفحات ۳۹۰، حصہ دوم صفحات ۳۲۸، یہ کتاب اولاً ندوۃ المصنفین (۱)(دہلی) بھارت نے ۱۹۴۴ء میں شائع کی تھی جبکہ یہ کتاب مولانا گیلانیؒ نے ۱۷ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ بمطابق ۱۹۴۲ء کو حیدرآباد میں مکمل کر لی تھی۔ (۲) اب پاکستان میں بھی مکتبہ رحمانیہ لاہور نے چھاپ دیا ہے۔ صدق کے مختلف پرچوں سے تاثر ابھرتا ہے کہ اس کتاب کے تین ایڈیشن ضرور شائع ہوئے۔ دوسرا نظر ثانی شدہ ایڈیشن ۱۹۶۵ء تا ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا تھا۔ دوسری اشاعت ۱۹۸۴ء اور تیسری ۱۹۸۷ء میں منظر عام پر آئی۔ اس کے ایک حصہ کی نقل پاکستان میں بھی چھاپی گئی ہے۔ (۳) کتاب بظاہر ایک محدود موضوع پر ہے اور صرف اہل علم کے ایک مختصر سے گروہ کے پڑھنے کے قابل لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے کتاب بڑی ہی شگفتہ انداز میں لکھی گئی ہے۔ عالم وعامی سب کے لیے دلچسپ اور کسی ایک محدود موضوع پر نہیں۔ مضامین کا ایک ابلتا ہوا سمندر ہے۔ تاریخ کے خدا معلوم کتنے نادر واقعات اور نکتے بے ساختہ اور بے تکلف آتے چلے گئے ہیں۔ کتاب کہنا چاہیے کہ بیش بہا معلومات کا ایک گنجینہ اور علمی نکتہ سنجیوں کا خزانہ ہے۔ (۴) ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری لکھتے ہیں:

> "ہندوستان کو وطن بنانے کے بعد مسلمانوں نے اس ملک میں تعلیم وتربیت کا جو نظام قائم کیا تھا اس کتاب میں اس کی عجیب وغریب خصوصیات کو صحیح اور معتبر تاریخی شہادتوں کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ اساتذہ، طلبہ، طریقہ تعلیم، نصابی تغیرات طلبہ کے قیام وطعام کتابوں کی فراہمی کے انتظامات ان کلی مباحث کے ساتھ کتابت میں مسلمانوں سے پہلے اس ملک میں کاغذ کا فقدان کاغذ سازی کے کارخانے، کاغذ کے اقسام، سلاطین اور علما کا تعلیم سے تعلق، ہندوستان میں تعلیمی نصاب کی ہر زمانے میں افادے کے لحاظ سے برتری بیرون ہند کے اسلامی ممالک میں ہندوستانی علما کا امتیاز وتفوق ان کے سوا بلا مبالغہ، بیسیوں نکات وحقائق جن کا مختلف اہم مسائل سے تعلق ہے اس کتاب میں پہلی دفعہ پیش کیے گئے ہیں۔" (۵)

سید محبوب رضوی لکھتے ہیں کہ "مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت اپنے موضوع پر معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے۔ ہندوستان میں قطب الدین ایبک کے عہد سے موجودہ عہد تک........ اس موضوع کا کوئی گوشہ نہیں جس پر سیر حاصل بحث نہ ہو۔ کتاب مؤثر اور دلچسپ ہے۔ (۶)

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ ڈگری کالج، ڈسکہ، سیالکوٹ، پاکستان

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ جو کہ اکٹھی شائع ہوتی رہی ہیں۔ پہلی جلد کے نمایاں موضوع درج ذیل ہیں۔
ہندوستان کے قدیم تعلیمی نظام کا خاکہ' فراہمی کتب' ایک ذیلی بحث تعلیمی مضامین' معقولات کا الزام' درجۂ فضل کی کتابیں' ایک غلط فہمی کا ازالہ ایک معاشی انقلاب کا نتیجہ' درس حدیث کی اصلاح شامل ہیں۔ جبکہ دوسرے حصہ میں نظام تعلیم وتربیت جو کہ ہندوستان میں جاری ساری تھا اس کو پیش کرنے کے علاوہ نظریہ وحدت تعلیم پیش کیا ہے۔ جو کہ مولانا گیلانیؒ کی سوچ اور غور وفکر کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے۔
اس ضخیم کتاب کے علاوہ مولانا گیلانیؒ کی تعلیم کے موضوع پر اس سطح کی کوئی کاوش نہیں لیکن چند مقالات ضرور ملتے ہیں جو اسی کاوش کی توسیع کہلائے جا سکتے ہیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

دار العلوم دیوبند (تین اقساط):

الفرقان لکھنؤ' ذیقعدو ذوالحجہ ۱۳۵۷ھ، محرم وصفر ۱۳۵۸ھ/جنوری تا اپریل ۱۹۳۹ء

میرا مجوزہ تعلیمی خاکہ:

معارف اعظم گڑھ' جولائی ۱۹۴۵ء یہ مضمون ''مسلمانوں کا نظام تربیت کی دوسری اشاعت میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اس کو مولانا گیلانیؒ کی اس ضخیم کتاب کا خلاصہ کہا جا سکتا ہے۔

دار العلوم کی بنیاد کے چند غیر معروف گوشے:

دار العلوم دیوبند رمضان ۱۳۷۲ھ/جون ۱۹۵۳ء (یہ مضمون ایک خط کی صورت میں ہے۔ جو مولانا قاری محمد طیب مرحوم کے نام لکھا گیا تھا۔

مولانا گیلانیؒ کے دور کا تعلیمی پس منظر:

مولانا گیلانیؒ کی زندگی کے عروج کے زمانے میں انگریزوں کا تسلط بھی اپنے عروج پر تھا۔ برصغیر پاک وہند میں اپنی نظریاتی بنیادیں مضبوط کر چکا تھا۔ اس دوران درد دِل رکھنے والے مسلمان مفکرین اور دانشوروں میں اضطراب کی لہر بھی محسوس کی جا رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا گیلانیؒ کو بھی برصغیر میں مسلمانوں کے نظام تعلیم وتربیت پر لکھنے کے لیے کہا گیا۔ کیونکہ بعض حلقے اس بات کا شور مچا رہے تھے کہ مسلمانوں کا اپنا کوئی نظامِ تعلیم وتربیت نہیں کہ جس کی بنیاد پر ترقی کی منازل طے ہو سکیں۔ چنانچہ اس کا کماحقہ جواب دینے کے لیے کئی دانشوروں نے اپنے تئیں کوششیں کیں۔ ان میں مولانا گیلانیؒ کا نام سرفہرست ہے۔
اس سے پہلے کہ مولانا گیلانیؒ کے کام کا جائزہ پیش ہو۔ اس دور کا تعلیمی پس منظر اجمالاً پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ برصغیر میں انگریزوں اور پرتگالیوں کی آمد اور قیام کا سلسلہ تو پندرھویں صدی عیسوی سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ ۱۷۹۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے بنگال اور اڑیسہ میں اپنا باقاعدہ تسلط قائم کر لیا۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو برصغیر کے لوگوں کو مستقل طور پر ذہنی غلام بنانے کا آغاز ۱۷۱۶ء میں اس وقت ہوا جب ڈپن پادری زیگن پال نے ٹرنکوبار میں ایک کالج قائم کیا اور پھر اگلے سال یعنی ۱۷۱۷ء میں دو خیراتی سکول مدراس میں قائم کیے۔ (۷) ۱۸۱۸ء میں شیورام پور کی مثلث نے ایک کالج

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

قائم کر دیا۔ ۱۸۲۷ء میں شاہ ڈنمارک نے ایک چارٹر کے ذریعے اس کالج کو یونیورسٹی کا درجہ عطا کر دیا۔ اہل فرنگ کی برصغیر میں قائم کردہ یہ پہلی یونیورسٹی ہے۔ (۸) میں یہ سمجھتا ہوں کہ برصغیر میں انگریزوں کا یہ وہ اقدام تھا۔ جس نے انہیں اس خطہ میں پاؤں مستقل طور پر جمانے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ سلسلہ رکا نہیں بلکہ مسلسل آگے بڑھتا رہا۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ تو ۱۷۸۱ء میں وارن ہیسٹینگز نے قائم کر دیا تھا۔ (۹) اگرچہ انگریزوں کو تعلیم کا خیال بہت دیر سے آیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے آغاز کیا تو اس پر بھرپور توجہ دی۔ چنانچہ برطانوی پارلیمنٹ نے ۱۸۱۳ء کے چارٹر میں ہندوستان کی تعلیم کے لیے ایک لاکھ روپے کی رقم متعین کی۔ (۱۰)

مدرسہ عالیہ کلکتہ کے قیام کے بعد ۴ مئی ۱۸۰۰ء میں سلطان ٹیپو پر فتح پانے کی یاد میں جشن مناتے ہوئے برصغیر کی تاریخ کا رخ موڑنے والا ادارہ فورٹ ولیم کالج کلکتہ کا قیام عمل میں آیا۔ (۱۱) جو دراصل مغربی تعلیم و تربیت کی اساس قرار پایا۔ اور پھر تاریخ گواہ ہے کہ کہ سیاسی غلبہ کے ساتھ ساتھ انگریزوں نے تعلیمی غلبہ کے ذریعے برصغیر میں اپنا تسلط مضبوط کر لیا۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ قابل ذکر ہے کہ برصغیر میں مسلمان حکمرانوں نے اپنا نظام تعلیم قائم کر رکھا تھا۔ لیکن وہ مغربی تعلیمی اداروں کا مقابلہ کیوں نہ کر سکا۔ اس کی وجوہات سیاسی کے علاوہ اجتماعی غفلت کو بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن مایوسی کی بات اس لیے نہیں کہ مزاحمتی تحریک بھی اپنے طور پر کشمکش حق و باطل کا سامان پیدا کر رہی تھی۔ چنانچہ جہاں انگریزی تعلیمی ادارے فروغ پا رہے تھے وہیں دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء، مدرسہ خلیلیہ (ٹونک) جیسے اسلامی تعلیم و تربیت کے مراکز بھی اپنی تحریک کو آگے بڑھا رہے تھے۔ انگریزوں کے ہندوستان پر سیاسی و علمی غلبہ کے بعد مسلمانوں میں دو طرح کے فکری اسکول وجود میں آئے۔ ایک کے سرخیل سرسید احمد خاں ٹھہرے جبکہ اس کے مقابلہ میں مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا مملوک علی کی قیادت میں کارواں تیار ہونے لگے۔

مسلمانوں میں فکری تضاد اس وقت شدت اختیار کر گیا جب ۱۸۳۵ء میں لارڈ میکالے کی تعلیمی پالیسی کو ہندوستان میں نافذ کر دیا گیا۔ انگریزی کو ذریعۂ تعلیم اور ترقی کا زینہ قرار دے دیا گیا۔ چنانچہ لارڈ میکالے ۱۸۳۶ء میں اپنی کامیابی کی خوشخبری باپ کو سناتے ہوئے لکھتا ہے۔

> " کوئی ہندو جسے انگریزی تعلیم دی گئی ہو کبھی خلوص دل سے اپنے مذہب پر قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ میرا پختہ یقین ہے اگر تعلیم کی ہماری تجویزوں پر عمل کیا گیا تو آج سے تیس سال بعد بنگال کے اچھے طبقوں میں ایک بھی بت پرست باقی نہیں رہے گا اور ایسا بغیر کسی تبلیغ کے ہوگا، ان کی مذہبی آزادی میں معمولی سی دخل اندازی کے بغیر محض علم و فکر کے نتیجے میں ہوگا۔ (۱۲)

لارڈ میکالے کی اس تعلیمی پالیسی کے نفاذ کے بعد اسکی پالیسی کی حمایت میں تحریک کا آغاز ہوا۔ اس تحریک کا نام تحریک علیگڑھ تھا۔ اس کو ہم پرومیکالین (Pro-Macalian) کا نام دے سکتے ہیں۔ اس کے سربراہ سرسید احمد خان تھے۔ انہوں نے ۱۸۷۰ء میں اس تحریک کا آغاز کیا۔ اس تحریک کو حکومت ہند اور انگریزوں میں سے "مخیّر" حضرات کی مالی معاونت بھی حاصل تھی۔ ۱۸۷۷ء میں اینگلو محمڈن ایجوکیشنل کالج کی بنیاد رکھی گئی۔ لارڈ لٹن کے ہاتھوں کا اس کا افتتاح ہوا۔ (۱۳) جو بعد

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

میں یونیورسٹی کی شکل اختیار کر گیا۔ اور اسی طرح ایک نئی سوچ کی بنیاد بنا۔ برصغیر کے مسلمانوں میں ایک طبقہ تھا۔ جس کے نزدیک اسلام بلاشبہ ایک قابل قدر ورثہ تھا مگر زندگی کے معاملات میں رہنمائی سے مدت ہوئی وہ اس کو معطل کر چکے تھے یہ طبقہ بادشاہوں، امراء، نوابین، سرکاری عہدیداران اور دربار سے وابستہ مختلف نوع کے افراد پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ کسی نظریہ اور کسی مسئلہ کے پیروکار نہیں تھے بلکہ درحقیقت یہ لوگ سہل انگار، عیش پسند اور وقت پرست تھے۔ ایمان وضمیر کی ادنیٰ سی خلش محسوس کیے بغیر وہ لوگ مرہٹوں، سکھوں، جاٹوں اور پھر انگریزوں کی خدمات انجام دیتے رہے تھے۔ (۱۴)

جوادالدولہ عارف بہادر دہلوی (۱۸۱۵ء تا ۱۹۸۸ء) کا خاندان مغلوں کے طبقۂ امراء سے تعلق رکھتا تھا۔ سرسید احمد خاں کے نانا خواجہ فریدالدین نے کمپنی کی ملازمت قبول کر لی تھی۔ سرسید نے بھی ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی جس کے تعلقات انگریز کمپنی سے قدیمی تھے۔ چنانچہ ۱۸۳۹ء میں کمپنی کی ملازمت سے انہوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ (۱۵) یہاں تک کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں بھی وہ انگریزوں کی وفاداری اور جانثاری میں ثابت قدم رہے۔ اگرچہ یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی حالت کو بہتر بنانے کی سوچ کو آگے بڑھایا اور اس کے لیے عملی اقدامات بھی کیے۔ اور خاص طور پر جب ہر طرف مسلمانوں کو نیچا دکھانے کی کوششیں ہو رہی تھیں۔

سرسید نے علی گڑھ کالج/ یونیورسٹی کا نمونہ کیمبرج سے مستعار لیا تھا۔ اس کے لیے انہوں نے دینیات کی تعلیم کو غیر اہم سمجھا۔ کیمبرج کی طرح یہاں انہوں نے پادری کی جگہ ان پڑھ مولوی رکھے جو کہ ہاسٹلز میں طلبہ کے مذاق کا نشانہ بنتے تھے۔ علی گڑھ سے فارغ ہونے والے طلبہ کو فوراً ملازمت مل جاتی تھی کیونکہ اس ادارہ میں مغربی تہذیب کو پروان چڑھایا جارہا تھا۔ (۱۶) مغربی تہذیب کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان کو سرسید ضروری اور لازمی خیال کرتے تھے۔ لکھتے ہیں:

"فرض کفایہ تو جدا رہا اب تو دینوی ضرورتیں بلکہ لوازم زندگی ایسے پیش آئے ہیں کہ بدوں انگریزی دانی کے کوئی کام ہی دنیا کا نہیں چل سکتا اس لیے مسلمان بھی طوعاً کرھاً اس بات پر مجبور ہوئے ہیں کہ انگریزی زبان سیکھیں اور اس زبان میں علوم حاصل کریں۔ ۱۷ سرسید کی تمام تر کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں تحرّک تو پیدا ہوا' ترقی تو ہوئی۔ مگر اصل نصب العین سے دور کر دینے والی۔"

سید سلیم لکھتے ہیں:

"مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کوششوں کے نتیجے میں جو دینی شعور اور مخلصانہ عمل کا جذبہ گزشتہ دو صدیوں سے ابھر رہا تھا جس سے سرشار طبقے نے گزشتہ ایک صدی سے انگریزوں کے خلاف سر دھڑ کی بازی لگا رکھی تھی۔ جو کسی حال میں ہار ماننے کو تیار نہیں تھا جو اسلام سے مایوس نہیں تھا، سرسید نے اس طبقہ کو شکست دے دی۔ بالآخر وہ طبقہ مدرسوں اور خانقاہوں میں پناہ گزین ہو گیا" (۱۸)

انگریزوں کے تسلط اور لارڈ میکالے کی تعلیمی پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ برصغیر کے مسلمانوں کے ایک طبقہ نے حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا۔ ان کو ہم (Pro-Macallian) کہہ سکتے ہیں۔ اور بلاشبہ اس کے سربراہ سرسید احمد خاں کو کہا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جن لوگوں نے سرسید کے افکار کی تائید اور اس کو آگے بڑھانے کا فریضہ سرانجام دیا۔ ان میں مولوی چراغ علی (م-۱۸۹۵ء)، منشی ذکاء اللہ (م-۱۹۱۰ء) ڈپٹی نذیر احمد (۱۸۳۶-۱۹۱۰) مولانا الطاف حسین حالی (م-۱۹۱۴ء) محسن الملک (م-۱۹۰۷ء) وقارالملک (م-۱۹۱۷ء) سید امیر علی (م-۱۹۰۹ء) نمایاں ہیں۔

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

ان حالات میں برصغیر کے اندر بعض ایسی قوتیں بھی تھیں۔ جنہوں نے مغربی تہذیب اور تسلط کو مضبوط اور پروان چڑھانے والے مراکز کی پیروی اور ترویج کا کام کرنے کی بجائے اس کی مزاحمت کا فیصلہ کیا۔

تعلیم مسلمانوں کے لیے دینی فریضہ ہے کسی صورت میں بھی وہ اس سے غافل نہیں رہ سکتے۔ جنگ آزادی کی قیامت خیز آندھی فرو ہو جانے کے بعد سوچنے سمجھنے والے لوگ ملت کے مستقبل کے بارے میں سوچنے لگے۔ سید سلیم لکھتے ہیں کہ اس گروہ میں دو نقطۂ نظر کے حامل افراد پائے جاتے تھے۔ اہل علم کے ایک بڑے طبقے کا خیال یہ تھا کہ حکومت وقت کی معاندانہ کاروائیوں کے پیش نظر اس سے لاتعلقی کا رویہ اختیار کیا جائے۔ اور نو خیز نسلوں کی اسلامی تربیت کے کام کو سب سے زیادہ اہمیت دی جائے۔ اس کے لیے قدیم طرز کے مدارس قائم کیے جائیں اور اسلامی ریاست میں تسلسل باقی رکھا جائے۔ علما کا تسلط باقی رکھا جائے جو مسلمان معاشرہ میں ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتے ہیں۔ (۱۹) جبکہ ایک دوسرا طبقہ بھی تھا جس کا خیال اس سے مختلف تھا۔ سید سلیم لکھتے ہیں کہ

"وہ طبقہ لاتعلقی کا قائل نہیں تھا۔ وہ مسلمانوں کی تعلیم کو نئے بدلے ہوئے حالات سے ہم آہنگ کرنا چاہتا تھا۔ مطابقت پیدا کرنے کے سلسلے میں انہوں نے کئی نوع کے تعلیمی تجربات کیے۔ کبھی مغربی علوم میں اسلامی دینیات کی پیوندکاری کا طریقہ اختیار کیا' جس کی مثال دارالعلوم علی گڑھ اور جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن ہیں۔ کبھی جدید عربی و دینی نصاب کے ساتھ انگریزی زبان کو شامل کیا جس کی مثال دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ہے۔ کبھی دینی اور دنیوی علوم کا جدید آمیزہ تیار کرنے کی کوشش کی گئی جس کی مثال مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ ہے۔ (۲۰) وہ طبقہ جو انگریزی طرز کے مدارس سے لاتعلقی کا اظہار کرتا تھا۔ اس کے سرخیل مولانا عنایت احمد کاکوری تھے۔ انہوں نے ۱۸۶۰ء میں نو آباد شہر کانپور میں سب سے پہلے ایک مدرسہ فیض عام کی بنیاد ڈالی۔ "(۲۱)

لیکن اس طبقہ کے مشہور نمائندے مولانا قاسم نانوتوی (۱۸۸۰ء) ہیں۔ انہوں نے ضلع سہارن پور کے ایک غیر معروف قصبہ دیوبند میں ایک مدرسہ کا افتتاح کیا۔ (۲۲) جو کہ دارالعلوم دیوبند کے حوالے سے پوری دنیا میں معروف ہوا۔ اس طبقہ کے دوسرے سرکردہ نمائندوں میں، مولانا مملوک علی، اکبرالہ بادی، علامہ شبلی نعمانیؒ، سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبد الباری ندویؒ، مولانا اشرف علی تھانوی، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ الہند علامہ محمود الحسنؒ مولانا عبدالکلام آزاد، علامہ محمد اقبال، سید ابوالحسن علی ندوی، ڈاکٹر حمید اللہ، محمد علی جوہر، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مفتی محمد شفیعؒ، خواجہ غلام السیدین، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ڈاکٹر رفیع الدین کے علاوہ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کے نام نمایاں ترین ہیں۔ ان کو (Anti Macallian) کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔ جس طرح مغربی تعلیمی مراکز کو اپنانے والوں میں علیگڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کا نام نمایاں ہے۔ اس طرح اس طرز کے مخالف اور مزاحمتی تحریک کے نمایاں نمائندہ مدارس میں' دارالعلوم دیوبند' ندوۃ العلماء لکھنؤ مدرسہ خلیلیہ (ٹونک) کا نام لیا جاسکتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس مزاحمتی تحریک میں بھی دو سکول آف تھاٹ (School of thought) نمایاں ہونے لگے۔ ایک طبقہ وہ جو جدید مغربی تعلیمی مراکز کا فارغ التحصیل تھا۔ لیکن مغربی تہذیب اور تعلیم کا نقاد بھی تھا۔ اس طبقہ میں اکبرالہ آبادی علامہ محمد اقبال سے آغاز ہوا اور پھر اس قافلہ میں محمد علی جوہر اور پھر عبد الماجد دریابادی وغیرہ شامل ہوئے۔ اس کے بعد سید محمد سلیم جیسی شخصیات اس قافلہ کا حصہ بنیں۔ اس طرح قدیم اور روایتی اسلامی مدارس سے فارغ التحصیل لوگوں کا گروہ جو جدید مغربی تعلیمی مراکز میں بطور معلم اپنے فرائض انجام دے رہا تھا۔ ان میں مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ اور عبدالباری ندویؒ، ڈاکٹر ولی الدین اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا نام نمایاں ہے۔

یہ وہ حالات تھے۔ جس میں مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کام کر رہے تھے۔ وہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن جیسے جدید

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

تعلیمی مرکز میں بطور معلم فرائض سرانجام دے رہے تھے۔

پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت:

مولانا گیلانی نے تعلیم کے موضوع پر جو کتاب ''ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت'' تصنیف کی ہے اس کی وجوہات میں یقیناً وہی پس منظر ہے۔ جو اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ مولانا گیلانیؒ ایک دردمند دل رکھنے والے مفکرِ اسلام تھے۔ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے پیش آمدہ مسائل اور چیلنجز کو ہمیشہ محسوس کیا اور اس کا مدلل جواب دیا۔

اگرچہ انکی یہ تصنیف غیر ارادی طور پر تکمیل پذیر ہوئی، لکھنے بیٹھے تھے چند صفحات کا مضمون مگر وہ ضخیم کتاب کی شکل اختیار کر گیا۔ لکھتے ہیں:

"پانچ صفحات کے مضمون کے لکھنے کے لیے بیٹھا تھا وہی اس وقت ۷۵۰ صفحات کی شکل میں آپ کے سامنے موجود ہے۔(۲۳) یہ جذبہ ان میں کسطرح پیدا ہوا کہ ان کا بحرِ علم موجیں مارنے لگا اس کے پیچھے اس وقت کے حالات اور چیلنجز تھے چنانچہ اس کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔''اس کتاب میں رہ رہ کر ان ہی ٹیسوں اور ہوکوں کی بے چینیاں آپکو محسوس ہوں گی جو ان ہی تیروں کے زخموں نے مجھ میں پیدا کیے ہیں۔ مجھے رلایا گیا ہے بہت رویا ہوں۔ ستایا گیا ہوں تب کراہ رہا ہوں، ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں بعض مواقع پر میرے نالے ذرا بلند ہو گئے ہوں۔ قابو سے قلم کہیں باہر ہو گیا ہو۔ اس میں مجھے معاف رکھا جائے گا۔ میں احسان فراموش ہوتا' اگر جاننے کے باوجود بھی نہ جاننے والوں کے سامنے واقعات کی حقیقی روئداد پیش نہ کرتا" (۲۴)

یہ امر باعث حیرت ہے کہ مولانا گیلانیؒ کی یہ کاوش جو شاید دوسرے علماء کئی مہینوں کی محنت شاقہ کے بعد بھی شاید مکمل کرنے کے قابل نہ ہوتے وہ مولانا گیلانیؒ نے صرف بیس دنوں کے قلیل عرصہ میں مکمل کر دی۔**(۲۵)**

مولانا گیلانیؒ اس کتاب میں جن امور کا بنیادی طور پر خیال رکھا ہے۔ وہ درج ذیل ہیں۔

نمبر۱۔ برصغیر میں جاری دو مستقل تعلیمی نظامات کے برخلاف ''وحدت نظام تعلیم'' کی تجویز اور اس کا خاکہ پیش کرنا۔
نمبر۲۔ عربی کے غیر سرکاری آزاد مدارس میں غیر مقابلاتی صناعات اور معاشی فنون کا اضافہ اور اس کا جائزہ
نمبر۳۔ جامعاتی اقامت خانوں کے فردوسی نظامات کیا ہندوستانی طلبہ کے آئندہ معاشی توقعات پر پورا اترتے ہیں۔
نمبر۴۔ مسلمانوں کی ابتدائی تعلیم کا نقشہ برخلاف مروجہ طریقہ تعلیم
نمبر۵۔ دماغ کے ساتھ ساتھ قلبی بیداری اور باطنی تزکیہ کی طرف خصوصی توجہ (۲۶)

دراصل یہ موضوع جتنا نازک اور قابل توجہ ہے۔ مسلمانوں کیطرف سے اتنی توجہ شاید اس طرف دی نہ جا سکی۔ اگرچہ اس اس پر بہت سا مواد ملتا بھی ہے۔ لیکن اس کو عملی جامہ پہنانے کی مہلت اور حالات شاید ابھی تک پیدا نہیں ہوئے۔ اس سلسلہ میں جو مواد ہمیں ملتا ہے۔ اس میں چند اہم کتب کا نام مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ خطیب بغدادی اقتضاء العلم والعلماء
۲۔ ابن قیم، فضائل العلم والعلماء
۳۔ عبدالحی الحسنی الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند
۴۔ غلام علی آزاد مآثر الکرام فی آثار الکبر ام
۵۔ سید محبوب رضوی تاریخ دیو بند
۶۔ قاری محمد طیب دار العلوم دیو بند کی صد سالہ زندگی
۷۔ مولوی جمیل احمد تھانوی نصاب و نظام دینی مدارس
۸۔ مولانا ابوالحسنات ندوی ہندوستان کی قدیم درس گاہیں
۹۔ محمد حسین خان زبیری تاریخ تعلیم و تربیت
۱۰۔ پروفیسر سید نوشہ علی، مسلمانانِ ہندو پاکستان کی تاریخ تعلیم

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

۱۱۔ سعید احمد انصاری جامعی ہندوستان میں تعلیم۔ مدارس کے مسائل ۱۲۔ ڈاکٹر حمید اللہ عہد نبوی کا نظام حکمرانی
۱۳۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی تعلیمات ۱۴۔ پروفیسر شبیر احمد تعلیم کی کہانی
۱۵۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی، نزھۃ الخواطر ۱۶۔ پروفیسر عبدالحمید صدیقی میکالے کا نظریہ تعلیم
۱۷۔ ابوسلمان شاہجہانپوری برصغیر پاک و ہند کے علمی و ادبی اور تعلیمی ادارے
۱۸۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہندوستان پنجاب یونیورسٹی لاہور
۱۹۔ سید محمد سلیم ہندو پاک میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ۲۰۔ سید محمد سلیم مغربی فلسفہ کا تنقیدی جائزہ
۲۱۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت

مولانا گیلانیؒ کی یہ تصنیف ایک نہایت منفرد مقام رکھتی ہے۔ اس کو ایک بنیادی ماخذ کا درجہ بھی حاصل ہے۔ لیکن اس کو چونکہ بیس ایام کے مختصر وقت میں لکھا گیا اس لیے بعض مقامات پر تعجیل کے آثار بھی دکھائی دیتے ہیں۔

خود مولانا کے خیال میں یہ ایک معلومات کا انبار ہے۔ جس میں سے معلومات کو اکٹھا کر کے ترتیب دینے کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے۔ کتاب کی پہلی جلد میں قدیم عربی مدارس کا ذکر ملتا ہے۔ اس کے علاوہ ان مدارس کے نصاب اور اساتذہ کے ذکر بھی ساتھ ساتھ موجود ہے۔ جبکہ کتاب کی دوسری جلد میں زیادہ تر مولانا گیلانیؒ نے اپنے نظریہ تعلیم کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اور اس کے لیے جو دلائل ان کے ذہن میں لوگوں کی تسلی کیلئے ہونے چاہئیں موجود ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس کتاب پر بڑا صحیح اور جامع تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"یہ کتاب دراصل تعلیم کے موضوع سے زیادہ مدارس اسلامیہ، نامور اساتذہ ان کے طریق درس اور طریق تربیت کے علاوہ تعلیمی مسائل کے دوسرے شعبوں کے متعلق بھی نادر معلومات سے لبریز ہے۔ لیکن معین موضوع تفاصیل کے انبار تلے دب جاتا ہے۔ (۲۷) مولانا گیلانیؒ کا خیال اس کتاب کو لکھتے ہوئے یہ تھا کہ تاریخی مواد کی روشنی میں اپنی ان تجویزوں کو پیش کرنے سے لوگوں کو تفہیم میں آسانی ہوگی۔ (۲۸)

مگر انہوں نے اس کی طوالت اور لوگوں کی شکایت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا:

"سوچا تو یہی تھا کہ سمجھنے میں لوگوں کو اس سے مدد ملے گی۔ لیکن احباب کے ایک بڑے طبقے کی طرف سے یہ شکایتیں مسلسل وصول ہو رہی ہیں۔ کہ اپنی تجویزوں کو الگ کر کے کسی مختصر مضمون کی شکل میں اگر شائع نہیں کرو گے تو موجودہ حالت میں خود کتاب سے ان تجویزوں کی صحیح اہلیت کا اندازہ لوگوں کو نہ ہو سکے گا" (۲۹)

چنانچہ اسی کتاب کو انہوں نے مختصر کر کے خلاصہ کی صورت میں بعنوان میرا مجوزہ تعلیمی خاکہ کے لکھ دیا تھا۔ جو معارف میں چھپ گیا تھا۔ موضوع کے اعتبار سے سید محمد سلیم کی ''ہندو پاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت'' اور مولانا گیلانی کی کتاب پیش نظر موضوع کے لحاظ سے ایک ہیں۔ مگر ضخامت کے لحاظ سے ان میں بڑا فرق ہے۔ سید محمد سلیم کی کتاب چھوٹے سائز کے ۳۱۲ صفحات پر مشتمل ہے جبکہ مولانا گیلانیؒ کی جیسے ذکر ہوا۔ ۷۲۰ صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب ہے۔ مگر ڈاکٹر سید عبداللہ کے خیال میں سید محمد سلیم کی کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ اپنے اختیار کردہ موضوع کے اندر رہ کر ایک خاص نقطہ نظر کے تحت معین اور قطعی معلومات بہم پہنچاتی ہے اور یہی نہیں یہ قارئین کو ایک نیا زاویۂ نظر بھی عطا کرتی ہے۔ (۳۰) لیکن اگر مولانا گیلانیؒ کی تصنیف کو دیکھا جائے تو اس میں معلومات کا انبار ہے۔ تنظیم اور ترتیب کا فقدان نظر آتا ہے۔ لیکن ان تمام سوالات کے جوابات، شبہات کے ازالہ کیلئے ہر اس شخص کو مواد مل سکتا ہے۔ جو مسلمانوں کے نظام تعلیم و تربیت کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہے یا پھر اس پر تنقیدی نگاہ ڈالتا ہے۔

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

عتیق الرحمٰن عثمانی نے اس کتاب کا خلاصہ مختصر مگر جامع انداز میں بیان کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ ''مولانا گیلانیؒ نے نہایت جامعیت اور تفصیل سے اپنے مخصوص طرز انشا میں یہ بتایا ہے کہ ہندوستان میں شروع سے لے کر اب تک مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت کیا رہا ہے۔ نصاب تعلیم میں کن کن علوم و فنون کا درس شامل ہوتا تھا۔ طریق تعلیم کیا تھا۔ طلبہ کے قیام و طعام کا کیا بندوبست تھا۔ اساتذہ اور طلبہ کے آپس کے تعلقات کس نوعیت کے ہوتے تھے۔ عام لوگ اور امراء داعیان ملک ان طلبا کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے۔ پھر تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت اور تزکیۂ نفس کا بھی کتنا اہتمام ہوتا تھا۔ غرض یہ کہ تعلیم و تعلّم سے متعلق بحث کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے۔ جو تشنہ رہ گیا ہو۔(۳۱)

ہم اس کتاب کو اردو ادب کا اس موضوع پر نمایاں اور اہم ماخذ قرار دے سکتے ہیں۔ عتیق الرحمٰن عثمانی نے بجا طور پر یہ لکھا ہے۔ بلا شبہ اردو ادب میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں اس جامعیت سے ہمارے گزشتہ نظام تعلیم و تربیت پر بحث کی گئی ہے۔(۳۲)

اسلامی اقامت خانے:

مولانا گیلانیؒ نے تعلیم کو تربیت سے جوڑنے کے لیے ایک منفرد تجویز پیش کی تھی جس پر غور و خوض کے بعد عمل کی ضرورت ہے جو درج ذیل ہے۔

انگریزوں کے برصغیر پر تسلط قائم کرنے کے بعد جو حالات پیدا ہو گئے تھے۔ ان میں نہ تو اپنی مرضی کا نصاب اور نہ ہی ماحول پیدا کرنے کی کوئی گنجائش بظاہر نظر آتی تھی۔ جس طرح کوئی ایسی بیماری جس کا علاج دریافت نہ ہوا ہو۔ واحد بچاؤ کی تدبیر قوتِ مدافعت میں اضافہ کرنا یا مدافعتی نظام میں اس بیماری کے خلاف لڑنے کی استعداد بڑھانا رہ جاتا ہے۔ مولانا گیلانیؒ نے بھی مسلمانان برصغیر کے لیے یہی علاج دریافت کیا ہے۔ کہ بڑے بڑے تعلیمی ادارے حکومت کے اداروں کے مقابلہ میں قائم کرنا تو مشکل ہے۔ نیز عربی مدارس کی بنیاد پر ترقی اور ارتقائی منازل طے کرنا بھی جب ناممکن نظر آ رہا ہو۔ تو ایسی صورت میں یہی تجویز ذہن میں آتی ہے۔ کہ ''اسلامی اقامت خانے'' قائم کیے جائیں۔ لکھتے ہیں:

" ہر تعلیم گاہ کے ساتھ ساتھ مسلمان طلبہ کے لئے خاص اسلامی اقامت خانے بھی قائم کیے جائیں۔ اور ان اقامت خانوں کی نگرانی ارباب تقویٰ و دیانت کے سپرد کی جائے۔ ان کا ماحول بالکل اسلامی ماحول رکھا جائے گا۔"(۳۳)

''اسلامی اقامت خانوں'' کی تجویز مولانا گیلانیؒ نے جب دی تو اس کے لیے کئی ممتاز لوگوں سے بات بھی کی۔ اس کی تائید مولانا عبدالباری ندویؒ نے بھی کی۔ یہاں تک انہوں نے صدق میں اس کا اظہار بھی کیا تھا۔ پھر اس کے جواب میں مولانا گیلانیؒ کے بھائی سید مکارم احسن نے مولانا گیلانیؒ کی اس تجویز کو دہراتے ہوئے لکھا:

" بھائی صاحب کی تیس سال سے ایک ہی تقریر تھی کہ اس وقت مقابلہ میں حفاظت دین کے لیے ہر ہندو اسکول کے سامنے اسلامیہ اسکول تو کھولنا محال ہے۔ ہاں اسلامیہ ہوسٹل غریب قوم کا غریبا مو اکھولا جا سکتا ہے۔ جس میں ایک شب بیدار مولوی سپرنٹنڈنٹ دس بیس تنخواہ پر مل جائے" (۳۴)

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

یہ بھی ایک حالات سے نمٹنے کی تجویز ہے کہ تعلیمی ادارے تو بن چکے، نصاب بھی ان کا اپنا تدریسی کے لیے لگا دیا گیا۔ اب صرف یہی حل ہے کہ اساتذہ ایسے ہوں۔ جو امت کا شعور اور درد رکھنے والے باعمل اور صالحیت کے منصب پر فائز ہوں۔ تاکہ وہ ان تعلیمی اداروں سے اسلام اور مسلمانوں کے لیے مطلوبہ نتائج و مقاصد کے حصول میں معاون ثابت ہوں۔ مولانا لکھتے ہیں:

"مدرسین ان مدارس میں ایسے منتخب کیے جائیں جو نام کے ساتھ کام بھی مسلمانوں کا کرتے ہوں۔ بحمد اللہ اب ان کی کافی تعداد ملک میں پیدا ہو چکی ہے" (۳۵)

اس طرح مولانا گیلانیؒ دوطرفہ مزاحمت کے ذریعے اصلاح احوال کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی قدیم عربی مدارس میں اصلاح نصاب کے ذریعے جبکہ جدید انگریزی مدارس (سکول و کالج) میں صحیح العقیدہ اور راسخ العقیدہ مسلمان اساتذہ کے تقرر کر کے اس طرح سے دونوں طرح کے مدارس میں پڑھنے والے طلبہ اور دینی اور مغربی تہذیب کی یلغار سے محفوظ بنائے جاسکتے ہیں۔

مولانا گیلانی کے افکار کا تقابلی و تحقیقی جائزہ:

اس فصل میں مولانا گیلانیؒ کے تعلیمی افکار کا تحقیقی جائزہ لیا جائے گا۔ نیز یہ کہ انہوں نے اس میدان میں تشکیل جدید کے لیے نمایاں کام ہے۔ اس کے علاوہ سرسید احمد خاں، علامہ محمد اقبال، سید ابوالاعلیٰ مودودی اور سید محمد سلیم کے ساتھ تقابلی جائزہ بھی پیش نظر ہے۔ کیونکہ برصغیر اور بالخصوص پاکستان کے معروضی حالات کے پس منظر میں انہیں شخصیات کے گرد ہمارے تعلیمی ماحول کی آبیاری ہو رہی ہے یا ہو سکتی ہے۔

اساس فکر:

تعلیمی نظریات کے مقاصد کے یقین کے لیے اساسِ فکر کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اس کے بغیر نظریہ کی عمارت تعمیر کرنا ناممکن ہے۔ اس لیے اساس جس قدر پائیدار اور مضبوط ہوگی عمارت بھی اس قدر پائیدار اور مضبوط متصور ہوگی۔ اسلام کے جتنے بھی ماہرین اور مفکرین تعلیم گزرے ہیں۔ ان کی بنیادی فکر میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا طریقۂ کار اور نتائج پیدا کرنے کے اندر فرق اور تبدیلی دیکھی جاسکتی ہے۔ اس لحاظ سے چاہے سرسید احمد خاں ہوں یا علامہ اقبال' سید مودودی ہوں' سید محمد سلیم ہوں یا پھر مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ ان کے اساسِ فکر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سب کے نزدیک اساسِ فکر کا محور اللہ تعالیٰ ہے۔ سرسید احمد خاں لکھتے ہیں:

"وہ کامل مطلق بخود ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی چیز نہیں پس جو کچھ کہ خدا نے کیا یا کہا وہ اپنی قسم میں کامل ہے۔ اور اس کے سوا اور کوئی چیز جو انسان نے کہی وہ کامل نہیں ہے۔" (۳۶)

علامہ اقبالؒ کے نزدیک ''خدا اولاً خالق ہے لیکن ایسا خالق نہیں جو پہلے سے ہی مقرر کردہ نقشے کے مطابق تخلیق کرلے وہ صحیح معنوں میں خالق نہیں رہتا اقبالؒ کے خالق اور اس کی آفرینش کے متعلق تصور حقیقت یا اساسِ فکر ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ چونکہ خدا مسلسل تخلیق کرتا رہتا ہے اس لیے آفرینش یا کائنات ایک واقعہ نہیں جو ہمیشہ کے لیے طے ہو گیا ہو۔ حقیقت ایک عمل ہے، واقعہ نہیں۔ خدا ایک سکونی اصلیت نہیں بلکہ ایک حرکی میلان ہے اور اس کے تمام مظاہر اور مخلوقات اس لیے ہیں کہ وہ بھی اپنے طور پر تخلیق کریں۔ وہ پورے خلوص سے یقین رکھتے ہیں کہ قرآن کا تصور الھیت یہی ہے۔ (۳۷)

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

اس لحاظ سے علامہ محمد اقبالؒ دوسرے مسلم مفکرین کی طرح حقیقت اصلیہ اللہ بزرگ و برتر کو قرار دیتے ہیں۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے تعلیمی نظریات کی بنیاد بھی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔انہوں نے محققانہ انداز میں اس تصور کی وضاحت کی ہے کہ یہ نظام کائنات خود بخود نہیں چل رہا ہے۔ بلکہ یہ کسی اصول اور حکمت کے تحت چل رہا ہے اور اس کو چلانے والی مدبر قوت خدا کی ذات ہے، وہ لکھتے ہیں۔

" کائنات کا نظام ایک کامل مرکزی نظام ہے۔ جس کو ایک ہی خدا نے پیدا کیا جس کے سارے اختیارات کا مالک ایک ہی خدا ہے نہ اس نظام کو پیدا کرنے میں کسی دوسرے کا کچھ دخل ہے۔ نہ اسکی تدبیر وانتظام میں کوئی شریک ہے اور نہ اسکی فرمانروائی میں کوئی حصہ وار ہے۔" (۳۸)

اسی طرح سید محمد سلیم جو مولانا مودودیؒ ہی کے فکر کے پیروکار ہیں۔ لکھتے ہیں:

"نظام تعلیم درحقیقت نظامِ حیات کا ایک شعبہ ہے۔ نظام حیات،تصور خالق،تصور کائنات،تصور انسان اور تصور آخرت جیسے بنیادی امور سے متعلق افکار ونظریات کی بنیاد تعمیر ہوتا ہے۔خواہ یہ نظریات مثبت ہوں یا منفی،فلسفیانہ ہوں یا بچگانہ افکار ونظریات نظامِ حیات کے لیے اٹل بنیادیں فراہم کرتے ہیں یہ بدیہی حقیقت ہے کہ جیسا نظام حیات ہوگا ویسا ہی نظام تعلیم پروان چڑھے گا۔"(۳۹)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کو محور ومرکز بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" دین اسلام اللہ تعالیٰ کو ہی اصل حقیقت قرار دیتا ہے۔ یہ ساری کائنات اس کی پیدا کردہ ہے۔ وہ اس کا واحد مالک اور فرمانبردار ہے۔ دنیا کا یہ عظیم کارخانہ،منصوبہء خداوندی کے تحت چل رہا ہے"(۴۰)

جبکہ مولانا گیلانی ؒ کی فکر کی بنیاد بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد اس کو قرار دے رکھا تھا۔ چنانچہ اپنے تعلیمی منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اسلام کی تعلیمات سے آگاہی اور اس پر عمل پیرا ہونے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ایک جگہ لکھتے ہیں:

" یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ مسلمان رہتے ہوئے اور حتی الوسع اسلامی زندگی سے اپنی زندگی کی آبیاری کرتے ہوئے مسلمان کس طرح تعلیم حاصل کر سکتے ہیں" (۴۱)

دراصل مولانا گیلانی ؒ نے اسلام کا نام استعمال کر کے اور اسلامی زندگی کو نصب العین قرار دے کر اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے نظام اور طریقہ زندگی کو اپنی فکر کی بنیاد قرار دیا ہے۔مولانا گیلانی ؒ کی تحریروں میں اسلام کے تمام شعبوں کی وکالت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ بلکہ جذبہ کی بجائے درد کا لفظ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اسی بنا پر انہوں نے تعلیم جیسے نہایت اہم شعبہ کو اسلامی رنگ میں رنگنے کے لیے اور اللہ کی رضا کے حصول کے لیے نہایت بنیادی اور فکر انگیز معلومات کے ذریعے رہنمائی کی ہے۔

تصور علم یا تصور تعلیم:

روحانیت اور جسمانیت کے اس حسین نظامِ حیات پر ایمان رکھنے والی مسلمان قوم کا تصور حیات اور تصور تعلیم دنیا کی دوسری قوموں سے مختلف ہے۔نقطۂ نظر کا بنیادی فرق ایک ایک جزئیہ میں نمایاں نظر آتا ہے۔قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق علم کا منبع اور سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔(۴۲)اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔علامہ زاہد الراشدی لکھتے ہیں:

"اسلام علم برائے علم کا قائل نہیں ہے بلکہ صرف ان علوم کو اپنے تعلیمی نظام کے دائرہ میں جگہ دیتا ہے جو انسان اور

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

انسانی سوسائٹی کے لیے نفع اور خیر کا باعث ہوں" (۴۳)

سر سید احمد خاں بھی اس طرح کی سوچ کے قائل ہیں ان کے نزدیک ایسا علم جو انسان کی حقیقت تک نہ پہنچائے اسے حقیقت پسند نہ بنائے، وہ علم نہیں وہ لکھتے ہیں:

"علم ایسی چیز ہے جو صداقت سکھانے، اخلاق درست کرنے، زندگی کی راہ بتانے، ابنائے جنس کے ساتھ زندگی بسر کرنے، اپنے اور دوسرے کے حق کو پہچاننے میں مفید ہو، یہ تمام باتیں انسانیت کی ہیں مگر علم کے بغیر نہیں آتیں۔'' (۴۴)

سر سید احمد خاں کی منفرد بات یہ تھی کہ وہ عقل کو معتبر ذریعہ علم سمجھتے تھے۔ وہ وحی، الہام، کشف وجدان کو بطور ذرائع علم تسلیم کرنے کے خلاف نہ تھے لیکن انہوں نے ان علوم کو جو بذریعہ وحی جلی یا وحی خفی ہم تک پہنچے ہیں، بھی عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کی، مثلاً معراجِ رسولؐ کو انہوں نے جلی حالت میں واقع ہونے کی صورت میں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ (۴۵)

جبکہ علامہ محمد اقبالؒ قریباً اسی تصور کے حامی ہیں جو سر سید نے بتایا ہے۔ ڈاکٹر سجاد باقر رضوی لکھتے ہیں:

"علامہ اقبالؒ کی نگاہ میں صحیح علم وہ ہے جس کی تصدیق دماغ و دل دونوں سے ہو جس میں مشاہدات حکیم اور تجلیات کلیم دونوں ہم کنار ہوں اور جہاں تجلیات کلیم کو مشاہدات حکیم پر فوقیت ہو، وجدان کی تصدیق اور عشق کی تائید کے باعث علم قوت و حرکت اور عمل سے بہرہ ور ہوگا۔ اور زندگی میں عملی طور پر جاری و ساری ہو سکے گا علامہ اقبال کے ہاں ایسے علم کا کوئی تصور نہیں جو حرکی اور عملی نہ ہو۔" (۴۶)

لیکن علامہ اقبالؒ عقل کی عظمت کو تسلیم تو کرتے ہیں لیکن اسے مادہ سے پرے دیکھنے سے مجبور پاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اعتقادی حقائق کو سمجھنے سے قاصر ہے اس لیے وہ عقل کو ناقص خیال کرتے ہیں:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق | عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی (۴۷)

اس لحاظ سے علامہ اقبالؒ کے نزدیک حصول علم کے دو ذرائع ہیں۔ حواس ادراک وجدان، اس کے ذریعے جو معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اقبال اسے علم کہتے ہیں اور وجدان کے ذریعے جو علم حاصل ہوتا ہے۔ اقبال اسے عشق کا نام دیتے ہیں۔ اور وجدان علم کا ذریعہ علامہ کے نزدیک وحی الٰہی ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ کے نزدیک دو باتیں علم قرار پاتی ہیں۔

۱۔ معرفتِ الٰہی ۲۔ صفاتِ الٰہی کا علم۔ ان دونوں کو جاننے والا ہی صاحب علم کہلا سکتا ہے۔ (۴۸)

مولانا مودودیؒ کے خیال میں بہت سے اہم ذریعہ علم ''وحی'' ہے۔ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیغمبروں کے واسطے علم دیا۔ لیکن یہ علم جس طرح انسان کو حاصل ہوا۔ وہ سماعت اور بصارت کی قوتیں ہیں۔ مولانا مودودیؒ ان دو قوتوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ جو کہ حصولِ علم کا ذریعہ ہیں۔ (۴۹) اسی طرح سید محمد سلیم نے بھی ''وحی'' کو ذریعہ علم قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک صرف حواس اور عقل سے حاصل کردہ علم کافی نہیں ہے۔ (۵۰)

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے نزدیک بھی ذریعہ علم ''وحی'' ہی قرار پاتا ہے۔ مولانا گیلانی کا یہ کہنا ان کے ''وحی'' کو ذریعہ علم قرار دینے کے لیے کافی ہے۔ لکھتے ہیں:

"یہ ایک ایسا مسلمہ مسئلہ ہے جس میں شک کرنیکی گنجائش باقی نہیں ہے۔ آخری پیغام صل (نماز پڑھ) صم (روزہ رکھ) وغیرہ احکام کی جگہ پہلا خطاب جس سے نوع انسانی کورس کے آخری پیغام بر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے حق تعالیٰ نے مخاطب فرمایا وہ اقراء (پڑھ) کا لفظ تھا۔ جس رب نے قلم سے سکھایا" (۵۱)

This document was created by an application that isn’t licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

اسی طرح مولانا گیلانیؒ اپنے تصورِ علم پر اس طرح روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

" نہ جانی ہوئی چیزوں کو جاننے کی انسان میں جو قدرتی صلاحیت ہے اس صلاحیت کو ابھارا جائے طلبہ میں ایک ایسی استعداد اور اس کا راسخ ملکہ پیدا کیا جائے کہ تعلیمی زندگی سے الگ ہونے کے بعد اپنے متعلقہ فنون کے حقائق و مسائل تک استاد کی اعانت کے بغیر اس کی رسائی ہونے لگے۔ خود سوچنے کی اور دوسروں کی سوچی ہوئی باتوں کو سمجھنے کی خواہ وہ کسی قسم کی پیچیدہ اور دقیق تعبیر میں پیش کی گئی ہوں تنقید یا صحیح کو غلط سے جدا کرنے کی صلاحیتوں کو مدرسہ سے لے کر باہر نکلے۔" (۵۲)

مولانا گیلانی کی یہ ایک جامع تعریف ہے۔ جس سے ان کے تصورِ علم پر روشنی پڑتی ہے۔ اگر چہ مولانا وحی کو ذریعہ علم سمجھتے ہیں مگر وہ وجدان کے بھی قائل ہیں۔ مولانا تصوف کے آدمی تھے۔ اس لحاظ سے ان میں وجدانی رجحان سے نمایاں طور پر پایا جاتا تھا۔ تصورِ علم اور ذرائع علم کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو سوائے سرسید احمد خاں جو کہ عقل کو ذریعہ علم سمجھتے ہیں باقی مفکرین کے نظریات ملتے جلتے ہیں۔

مقاصدِ تعلیم:

مقصد کی حیثیت اس مرکز و محور کی ہوتی ہے۔ جس کے گرد انسانی جدوجہد گھومتی ہے۔ مقصد محرک ہوتا ہے۔ یہی فرد کو حرکت عمل پر اکساتا ہے۔ عبدالرشید ارشد لکھتے ہیں:

”قومی زندگی کے بہت سے شعبوں میں سے ایک شعبہ تعلیم ہے۔ جسکی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ نئی نسل میں نظریہ حیات کا شعور جو پیدا کرے، اسے راسخ کرے اور اسکی بنیاد پر نظامِ حیات وجود میں آئے اس پر اسے عامل بنائے“ (۵۳)

تعلیم سے متعلق اب یہ اختلاف نہیں رہا کہ اس سے مقاصد وابستہ کیے جائیں یا اسے صرف اور صرف مقدس اور بابرکت سرگرمی تصور کرتے ہوئے اس کے حصول کی کوششیں رکھی جائیں۔ تعلیم دراصل انسانی افعال ہی کا ایک حصہ ہے۔ او چونکہ تمام افعال کسی نہ کسی مقصد کے تحت سرانجام دیے جاتے ہیں۔ اس لیے تعلیم بھی ایک بامقصد عمل اور سرگرمی کی حیثیت رکھتی ہے۔ (۵۴) سرسید احمد خاں تشکیل کردار کو تعلیم کا مقصد قرار دیتے ہیں اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے نے بہت جدوجہد کی لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سرسید معاش کے لیے تعلیم کے قائل نہ تھے۔ مولانا عبدالحق کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

" آپ نے تصور فرمایا ہے کہ مدرسہ العلوم کی تعلیم سے ہاتھ آنا سرکاری نوکریوں کا اصلی مقصد ہے۔ اس لیے آپ فرماتے ہیں کہ سرکار کے پاس اتنی نوکریاں کہاں ہیں۔ جو مسلمانون کو دگئی۔ جناب من! آپ نے مقصود مدرستہ العلوم پر غور نہیں فرمایا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان علوم و فنون معاش پیدا کریں اور جو کہ مدارس سرکاری میں بجز نوکری پیشہ بننے کے یہ بات حاصل نہ ہوتی۔ اس لیے مستقل مدرسہ کے قائم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔" (۵۵)

اس فکر کی روشنی میں سرسید احمد خان کے نزدیک تعلیم کے درج ذیل مقاصد ہو سکتے ہیں۔

۱۔ تشکیل کردار ۲۔ ذہانت اور بصیرت کی نشو و نما۔ ۳۔ اچھے اور برے میں امتیاز کرنا

۴۔ خدا اور کائنات کے بارے میں سوچ سکنے کی صلاحیت اجاگر کرنا ۵۔ بچوں کو معاش کے قابل بنانا

۶۔ پابندیٔ وقت سے آشنا کرنا ۷۔ طلبہ کی جسمانی نشو و نما کے مواقع فراہم کرنا

۸۔ عوام میں وفاداری کا جذبہ پیدا کرنا۔

This document was created by an application that isn’t licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

۹۔ لوگوں کو اس قابل بنانا کہ وہ اپنی قابلیتوں اور صلاحیتوں سے آگاہ ہو جائیں۔

سرسید کے ان مقاصدِ تعلیم کا بغور جائزہ لیا جائے۔ تو اس میں ایک سیکولر سوچ کی بنیاد فراہم ہوتی ہے۔ جو اگرچہ موجودہ دور میں بھی ایک دلفریب نقطہ نظر ہے۔ مگر بحیثیت مسلمان ہم پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اس کو علامہ محمد اقبالؒ نے اپنے مقاصد تعلیم میں نمایاں طور پر پیش کیا ہے۔ علامہ کے نزدیک تعلیم کا اولین مقصد مذہب اور نظریہ حیات کی تفہیم و آگہی کا ادراک پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ ان کے مقاصد تعلیم کو درج ذیل چار اجزاء کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱ روح انسانی کی تکمیل و تشکیل (۵۶)

۲ تربیت و استحکام خودی (۵۷)

۳ تسخیر آفاق و انفس (۵۸)

۴۔ ملت بیضا کا استحکام و تنظیم (۵۹)

''قومی انا'' ''اجتماعی خودی'' اور اجتماعی نفس ناطقہ کے الفاظ جابجا اقبالؒ کی تحریروں میں ملتے ہیں۔ لیکن ان کے نزدیک قومی انا درخیم کے گروہی ذہن کی طرح کوئی الگ نفسیاتی ہستی نہیں۔ سوچتے افراد ہیں نہ کہ قوم۔ قومی انا اور ''قومی ہستی'' کے الفاظ استعمال کر کے وہ صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کسی معاشرے کے طرز فکر کا تعلق اس کے تاریخی ارتقاء اس کی ساخت اور اس کے نظام اقدار سے ہوتا ہے۔ (۶۰)

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اقبالؒ کا نظریہ زیادہ آفاقی اور جامع ہے۔ جس میں مذہب کے ساتھ قوم اور ملک کی انا اور حمیت کو تعلیمی مقاصد کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح مولانا مودودی تو اس سے بھی زیادہ تعلیم کو نظریاتی بنانے کے حق میں دلائل دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک صرف ذریعہ معاش کا ذریعہ نہیں بلکہ قومی کردار کی تشکیل کے ساتھ مذہبی اقدار کی برتری کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے تعلیم کو نظریاتی بنیادوں پر استوار کرنا نہایت ضروری ہے۔ مولانا تعلیم برائے تعلیم اور علم برائے علم کے خلاف ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

"بعض لوگوں کے نزدیک تعلیم کا مقصد بس علم حاصل کرنا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو بالکل ایک غیر جانبدار تعلیم دی جانی چاہیے تاکہ وہ زندگی کے مسائل اور معاملات اور حقائق کا بالکل جیسا معروضی مطالعہ (Object Study) کریں اور آزادانہ نتائج اخذ کرسکیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اس طرح کا معروضی مطالعہ صرف فوٹو کے کیمرے کیا کرتے ہیں۔ انسان نہیں کرسکتے۔ انسان ان آنکھوں کے پیچھے ایک دماغ بھی رکھتا ہے۔ جو بہرحال اپنا ایک نقطہ نظر رکھتا ہے۔ زندگی میں اپنا ایک مقصد رکھتا ہے۔ مسائل کے متعلق سوچنے کا ایک طرز رکھتا ہے۔ اور وہ جو کچھ بھی وہ دیکھتا ہے۔ جو کچھ بھی وہ سنتا ہے جو کچھ بھی معلومات حاصل کرتا ہے اور وہ جو کچھ بھی کرتا ہے اسے اپنی اس فکر کے سانچے میں ڈھالتا جاتا ہے۔ جو اس کے اندر بنیادی طور پر موجود ہوتی ہے۔ پھر اسی فکر کی بنیاد پر اس کا وہ نظام زندگی قائم ہوتا ہے۔ جس کو ہم اس کی کلچر کہتے ہیں۔ اب اگر ہم اپنی ایک کلچر رکھتے ہیں اور ہم ایک ایسی قوم ہیں جس کے اپنے کچھ عقائد ہیں جس کا اپنا ایک نظریہ زندگی ہے۔ جس کا اپنا ایک نصب العین ہے جو اپنی زندگی کے کچھ اصول رکھتی ہے۔ تو لازماً ہمیں اپنی نسلوں کو اس غرض کے لیے تیار کرنا چاہیے کہ وہ ہماری اس کلچر کو نہ صرف یہ کہ زندہ رکھیں بلکہ آگے انہیں بنیادوں پر اسے ترقی دیں۔ جن پر ہماری یہ کلچر قائم ہے۔''(۶۱)

اس کے علاوہ مولانا دینی اور دنیوی تعلیم کی علیحدگی کے تصور کے خلاف ہیں۔ لکھتے ہیں:

"ہم اس کے بالکل قائل نہیں ہیں کہ ہماری ایک تعلیم دنیوی ہو اور ایک تعلیم دینی۔ (۶۲) جبکہ تشکیل کردار اور تعمیر

This document was created by an application that isn’t licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

سیرت ان کے نزدیک تعلیم کے بنیادی مقاصد میں شامل ہونا چاہیے۔ چاہے کوئی ڈاکٹر ہو، انجینئر ہو یا سائنٹسٹ تعمیر سیرت ہر جگہ ضروری ہے۔"

مولانا لکھتے ہیں:

"ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ ہمارے ایک نوجوان کے اندر اسلامی کیرکٹر پیدا ہو، اسلامی طرز فکر اور اسلامی ذہنیت پیدا ہو۔(۶۳) سید محمد سلیم بھی مقاصد تعلیم کو قومی مقاصد سے ہم آہنگ کرنا ضروری خیال کرتے ہیں" لکھتے ہیں۔

اسلامی تعلیمات کا مقصد خلافت کے امتحان میں کامیابی ہے اور آخرت میں رضائے الٰہی ہے اجر وثواب کا حصول ہے۔ اس کے برخلاف مغربی تعلیم کا مقصد مادی سہولتیں ہیں۔ مادی آسائشیں ہیں۔ مغربی تعلیم کا مقصد خودغرضی ہے حتیٰ کہ معاشرے کے مفادات پس پشت ڈال دیے جاتے ہیں۔(۶۴)

ان تمام زعماء کی آراء کی روشنی میں دیکھا جائے تو مولانا گیلانیؒ تعلیم کو اسلامی تعلیمات سے آگاہی کے علاوہ ان کو زندگی کا حصہ بنانے کے خواہاں ہیں۔ لیکن اس کے لیے وہ چاہتے ہیں جدید نظام تعلیم (انگریزی کا نظام تعلیم) کے پیدا کردہ مضر اثرات کو دور کیا جائے کیونکہ ان کے خیال میں اس نظام تعلیم کے تیار کردہ افراد اسلام سے دور ہو جاتے ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ جو سانچہ حالات کے جبر نے ہمارے لیے تیار کر دیا ہے اس سانچہ میں اس قدر تبدیلی ضرور پیدا کر لی جائے کہ اس سے گزرنے والے مسلمان اسلامی زندگی سے بہت زیادہ دور نہ چلے جائیں۔

لیکن وہ مرض سے نفرت سکھاتے ہیں مریض سے نہیں۔ ان کے خیال میں مرض کو مرض سمجھ کر اس کو اچھی طرح جان کر علاج تجویز کیا جائے تو بیماری کا علاج ممکن ہو سکتا ہے۔(۶۵)

مولانا گیلانی اگرچہ اسلام نظام زندگی سے آگاہی اور عملی نفاذ کو اپنے مقاصد تعلیم کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ لیکن جب تعلیم کا مقصد بیان کرتے ہیں۔ تو ایسا لگتا ہے کہ وہ تعلیم برائے تعلیم کے فلسفہ کے حامی ہیں اور وہ سرسید کے خیالات کی کسی حد تک ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر لکھتے ہیں:

"تعلیم وتربیت کا حقیقی مقصد یہی ہے کہ ﴿عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (۶۶) (انسان جو نہیں جانتا ہے اسے جانے) کی انسانی فطرت میں جو قدرتی صلاحیت ہے اسی صلاحیت کو جہاں تک ممکن ہو بروئے کار لانے کے لئے چمکایا جائے، مانجھا جائے، دھویا جائے، صاف کیا جائے۔(۶۷)

اس طرح سرسید کی طرح مولانا گیلانیؒ دینیات کو ہر سطح پر لازمی پڑھانے کی تجویز کے بھی حامی ہیں۔ اس سے ان کا خیال ہے کہ دینی اور دنیوی تعلیم کی دوئی کو ختم کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ لکھتے ہیں:

"دینیات کے مدارس کے نام سے الگ عام مدرسوں کے قائم کرنے کی ضرورت مسلمانوں کو نہ رہے گی۔(۶۸)

اگرچہ مولانا گیلانیؒ ہر گریجوایٹ کو عالم اور ہر عالم کو گریجوایٹ دیکھنا چاہتے ہیں۔ مسٹر اور ملا کو ایک کرنے کے حامی ہیں"

جیسا وہ لکھتے ہیں:

"ملا ہی مسٹر ہونگے اور مسٹر ہی ملا عالم وتعلیم یافتہ کی تفریق کا قصہ ختم ہو جائے گا" (۶۹)

لیکن مولانا گیلانی اس کے لیے جو طریقہ کار یا لائحہ عمل اختیار کرتے ہیں۔ وہ شاید ان کے مقاصد کے حصول میں معاون ثابت نہیں ہو سکتا۔ یعنی وہی نظام جس کے تیار کرنے والے لوگوں کو صرف حصول معاش کے لیے تیار کرنا چاہتے

This document was created by an application that isn’t licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

ہوں۔ وہ کس طرح اسلام کے اعلیٰ وارفع مقاصد کے حصول میں معاون ہوسکتا ہے۔

نصاب تعلیم:

نصاب تعلیم کی اسلامی تدوین میں یہ اساسی بحث بڑی اہم ہے کہ وہ کون سے اصول ومبادی ہیں جو نصابی خاکہ اور تدریسی لوازمہ کو متعین کرنے میں معاون ہیں۔ اس ضمن میں لازمی اصولی نکتہ یہ ہے کہ اسلام ایک ایسا مکمل ضابطہ حیات ہے۔ جو انسان کے تمام تر روحانی و مادی تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جس میں دین و دنیا کی خوبیوں کو یکجا کر دیا گیا ہے تا کہ کامیاب زندگی بسر ہو سکے۔ یہی وہ نکتہ ہے جو زندگی کے عام شعبوں بشمول تعلیم کی متوازی اور جامع تشکیل کرتا ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (۷۰)

"اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر اور آگے عذاب سے ہمیں بچا" (تفہیم القرآن: ۱/ ۱۵۸)

قرآنی ہدایت کے تناظر میں ڈاکٹر محمد مصلح الدین (م: ۱۹۸۸ء) نے نصاب تعلیم کی تدوین کے لیے ان دو اقسام کو اہمیت دی ہے۔ جنہیں علامہ ابن خلدون نے علوم عقلیہ اور علوم نقلیہ سے تعبیر کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد مصلح الدین کے نزدیک علم نقلی ہر حیثیت سے جامع و مکمل ہے۔ جس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ اسلاف کا جہاں تک تعلق ہے۔ انہوں نے نقل و عقل دونوں فنون میں مہارت حاصل کی لیکن اب افسوس کہ یہ دونوں علوم علیحدہ علیحدہ ہو چکے ہیں۔ ایک مذہبی نصاب کا شعبہ اور دوسرے دینوی نصاب کا شعبہ۔ اس طرح نصاب تعلیم ثنویت کا شکار ہو گیا۔ مسلم مفکرین نے تدوین نصاب سے متعلق ضروری لوازمہ اور حکمت عملی پر بڑا گراں قدر کام کیا ہے۔ نصاب کی اسلامی تدوین کے بارے میں امام غزالیؒ کی مرتب کردہ درجہ بندی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ پروفیسر چوہدری صفدر علی نے امام غزالیؒ کی اس مرتب کردہ درجہ بندی کا ذکر کیا ہے جس میں یہ چار اقسام ہیں۔

فرض عین: اس میں اعتقادات، عبادات اور امر ونواہی شامل ہیں۔

فرض کفایہ: دینی علوم میں سے نحو و بلاغت، منطق، اسلامی تاریخ، تفسیر، اصول تفسیر حدیث، اصولی حدیث، اسماء الرجال فقہ اور اصول فقہ شامل ہیں۔ علوم دینوی میں یہ ہندسہ، طب، کیمیا، طبیعات حیاتیات اور عمرانیات وغیرہ شامل ہیں۔

پسندیدہ علوم: جو فرض عین ہیں اور نہ فرض کفایہ۔ ان میں سے شعر و ادب میں سے اسلامی ادب، تاریخ اقوام، جغرافیہ اور جغرافیائی حالات وغیرہ۔

ممنوع علوم: وہ علوم جن کو حاصل کرنے سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے۔ مثلاً نجوم، جادو، ٹونے ٹوٹکے وغیرہ۔ (۷۱)

ممتاز عالم دین سید ابوالحسن ندویؒ مسلمانوں کے نظام تعلیم میں درجہ نصاب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اس صورت حال کا علاج (خواہ وہ کتنا ہی مشکل اور کتنا ہی دیر طلب ہو) اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس نظام کو از سر نو ڈھالا جائے، اس کو مسلمان اقوام کے عقائد و مسلمات اور مقاصد اور ضروریات کے مطابق بنایا جائے اس کے تمام علوم و مضامین سے مادہ پرستی، خدا بیزاری، اخلاقی اور روحانی اقدار سے بغاوت اور جسم پرستی کی روح نکال کر اس میں خدا پرستی، خدا طلبی، آخرت کوشی، تقویٰ شعاری اور انسانیت کی روح پیدا کی جائے۔" (۷۲)

اسی طرح پروفیسر عبدالحمید صدیقی ماہرین تعلیم کو خبردار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "نصاب تعلیم میں محض چند مضامین

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

کے تغیر و بتدل سے نوخیز نسلیں اسلامی سانچوں میں نہیں ڈھل سکتیں۔ (۷۳) سرسید احمد خاں گزشتہ نظام تعلیم کی اصلاح چاہتے تھے۔ وہ جدید تعلیم کے حصول پر زور دیتے تھے۔ انہوں نے مشرقی نصاب پر شدید تنقید بھی کی ہے۔ ان کے نزدیک درج ذیل نصاب مسلمانوں کے لیے موزوں ہے۔

دینیات: فقہ، اصول فقہ، حدیث اصول حدیث تفسیر، علم العقائد وغیرہ

ادب: زباندانی، انشاء پردازی، اردو، فارسی، عربی انگریزی، علم التاریخ، علم جغرافیہ، علم الاخلاق، مینٹل سائنس، علم منطق، علم فلسفہ، علم سیاست مدن، اور انتظام مدن۔

علم ریاضی: علم حساب، علم جبر و مقابلہ علم ہندسہ وفردعات

علم طبعیات: علم سکون، علم حرکت، علم ہو، علم برق، اعلم بہیئت، علم حرارت، نیچرل فلاسفی، علم آواز

خصوصی تعلیم: مسلمانوں کے تعلیمی نصاب میں ان درج ذیل علوم کا ہونا ضروری ہے۔ مثلاً انجینئرنگ، علم الابدان، علم جراحی، علم الحیوانات، علم بناتات، علم الارض کیمیا۔ (۷۴)

علامہ اقبال کے نزدیک دین اور سائنس دو مضمون نہیں ایک ہی مضمون کے دو حصے ہیں۔ ان کے خیال میں قرآن مجید کے بار بار مسلمانوں کو مطالعۂ کائنات و تسخیر کائنات کی دعوت دی ہے۔ اقبال کے نزدیک دینی علوم خدا، کائنات اور انسان تینوں کو ملا کر مجموعی تشخص نمایاں ہوتا ہے۔ اور انہیں الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔

بختیار حسین صدیقی کے خیال میں علامہ اقبال کا نصاب تعلیم ان کے افکار کی روشنی میں اس طرح مرتب کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ پہلا درجہ: قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر، کلام وغیرہ۔

۲۔ دوسرا درجہ: تاریخ، اقتصادیات، عمرانیات

۳۔ تیسرا درجہ: عمرانی علوم کے بعد ان کے ساتھ استقرائی مشاہدے پر مبنی طبعی علوم۔ سائنس کی تحقیقات

۴۔ قرآن کی آیات انفس اور آفاق پر غور و فکر۔ انفس۔ عالم صغیر ہے۔ آفاق عالم کبیر طبعیات، حیات، کیمیا، ارضیات، فلکیات، تاریخ وغیرہ۔

۵۔ سیرت کی تعمیر، کردار کی تشکیل (۷۵)

سرسید اور علامہ اقبالؒ کے نظریات میں یہی فرق ہے کہ علامہ اقبال تعلیم کے ذریعے آفاقیت کا درس دینے کے حق میں ہیں۔ نیز اس کو تشکیل کردار اور تعمیر سیرت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ جبکہ سرسید کے نزدیک تعلیم دینوی معاملات کو خوش اسلوبی سے سرانجام دینے کا نام ہے۔ مولانا مودودیؒ پرائمری سطح جو مضامین دنیا بھر میں پڑھائے جاتے ہیں۔ جس پر دنیا بھر میں تجربات کیے گئے ہیں ان کو شامل نصاب رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ طلبہ کو لکھنے پڑھنے کی اتنی استعداد بہم پہنچائی جائے۔ کہ وہ اردو ادب کو سمجھ کر پڑھ سکیں۔ اور اپنے خیالات کو تحریر و تقریر سے بیان کرنے کے قابل ہو سکیں۔ ابتدائی طور پر انہیں عربی قرآن سمجھنے کے لیے پڑھائی جائے۔

انگریزی اس قدر پڑھائی جائے کہ وہ انگریزی کتابیں پڑھ سکیں۔ ان کا ترجمہ کرنے کے قابل ہو سکیں۔ دینی تربیت کے لیے ریاضی کو ابتدائی جماعتوں میں شامل کیا جائے۔ جغرافیہ، تاریخ اسلام، انبیاء اور صحابہ کی سیرت، اسلامی عقائد، اسلامی اخلاق اور اسلامی تہذیب کے متعلق معلومات شامل نصاب ہوں۔ اس کے علاوہ طلبہ کو عملی کاموں کی مشق بہم پہنچائی جائے لڑکیوں کے لیے امور خانہ سے واقفیت نصاب میں شامل ہونی چاہیے۔ ثانوی تعلیم میں زبانوں کی تعلیم (مادی زبان اور عربی) قرآن مجید اسلامی عقائد تاریخ اور حدیث پڑھائی جائے اور طلبہ کی عملی تربیت کی جائے۔ مولانا مودودی اعلیٰ تعلیم کو عمومی اور

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

خصوصی دوحصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔قرآن وحدیث اوراسلامی نظام زندگی پر مشتمل نصاب جوعمومی ہواور ہرمضمون کے لیے تیارکردہ الگ خصوصی نصاب مولانا مودودی تشکیل سیرت کواہمیت دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''تشکیل سیرت کو کتابی علم سے زیادہ اہمیت دی جائے۔محض کتابیں پڑھانے اور محض علوم وفنون سکھانے سے کام نہیں چل سکتا۔(۷۶)علامہ اقبال کی طرح مولانا مودودی بھی تشکیل کردار کے ساتھ ساتھ تاریخ پر بہت زور دیتے ہیں۔تاریخ کی اہمیت کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں۔" تاکہ وہ جان لے کہ اسلام ایک ازلی اورابدی تحریک ہے"۔(۷۷) مولانا مودودی ہرطرح کے جدید سائنسی علوم کو پڑھانے کے حق میں ہیں۔مگرایک احتیاط کے ساتھ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ جدید نظام تعلیم کی بنیادسیکولر بنیادوں پر ہے۔اگراس کومن وعن قبول کرلیا جائے تو اس سے اسلام کو خاطرخواہ فوائد میسر نہیں آسکتے۔اس کے لیےان کا خیال ہے۔بچے کے ذہن میں ہرپہلو سے یہ بات بٹھائی جائے کہ یہ دنیا ایک خدا کی سلطنت ہےاور یہاں جوکچھ بھی ہےخدا کی امانت ہے۔اس امانت کےمعاملے میں ہم خداکےسامنے جوابدہ ہیں۔(۷۸)

پروفیسرسید محمد سلیم کے خیالات بھی مولانا مودودی سے ملتے جلتے ہیں۔نصاب تعلیم کے بارے میں لکھتے ہیں۔''کسی قوم کےنصاب میں اس قوم کےاساسی تصورات اور بنیادی افکارعکس ریز ہوتے ہیں۔لکھتے ہیں کہ

"اس کائنات کا خالق مالک اور مدبر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔انسان دنیا میں اللہ کا خلیفہ ہے۔یہ دنیاوی زندگی ایک آزمائش ہےاس آزمائش کانتیجہ آخرت میں دوسری زندگی میں ظاہرہوگا۔" (۷۹)

درجہ بالامفکرین کی آراء کے بعدمولانا سیدمناظراحسن گیلانی کے تعلیمی نصاب پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ مولانا حالات کے جبر سے پیدا شدہ صورت حال میں درمیانی راہ نکالتے ہوئے نظرآتے ہیں۔ان کی خواہش اورکوشش یقیناً وہی ہے جوکہ دوسرے مفکرین اسلام اپنے اپنے طور پر اپنی تحریروں میں بیان کرتے ہیں۔اسی لیے مولانا گیلانی درس نظامی کے مروجہ نصاب میں غیردینی علوم کے حصہ کونکال کرعصر جدید کےمقبولہ عام اورعہدحاضر کی دفتری زبان انگریزی کوشامل کرکےنصاب کی دوئی کوختم کرنا چاہتے ہیں۔(۸۰)

مولانا گیلانیؒ سیکولرتعلیم کے حق میں نہیں ہیں۔لیکن معروضی حالات کودیکھ کرمسلمانان برصغیر کے لیے یہی خیال کرتے ہیں کہ ان کواپنے قدیم نظام تعلیم کے تحت شاید دنیوی ترقیاں اوررفعتیں نصیب نہ ہوں۔اس لیےان کا خیال ہے کہ اگر یہ قدیم عربی مدارس اپنا کام کریں اورجدیدانگریزی طرز کے مدارس بھی اپنی آب وتاب کے ساتھ کام کرتے ہیں۔توان سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ میدان عمل میں قدیم مدارس والوں کو بہت پیچھے چھوڑ جائیں گے۔اس لیے یہ بہتر خیال کرتے ہیں۔کہ جدیدانگریزی طرز کے مدارس میں دینیات کےعلوم کا پیوند لگا کراس کو(اسلامائز) کردیا جائے۔اس سے یہ ضرورہوگا کہ جدید تعلیم کے ساتھ بنیادی اسلامی علوم جودرس نظامی کے فارغ ہونے والےکومیسرآتے ہیں وہ ان کے پاس بھی ہوں گے۔

مولانا جدید سائنسی وفنی علوم کے بھی خلاف نہیں ہیں۔لیکن مولانا مودودیؒ اورعلامہ اقبالؒ کی طرح اس کواس تناظر میں پڑھانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔تعمیر سیرت اور تشکیل کرداد جیسے نہایت اہم مقصد تعلیم کی ضرورت سے مولانا گیلانیؒ ناواقف نہیں ہیں۔لیکن اس کے لیے وہ اسلامی اقامت خانوں کے قائم کرنے کے داعی ہیں تاکہ جدیدعلوم پردسترس حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ پاکیزہ اسلامی ماحول میں رہ کرطلبہ کردارسازی کاعمل جاری رکھ سکیں۔مولانا گیلانیؒ نصاب کی وحدت کے قائل ہیں نصاب کی دوئی کوزہرقاتل سمجھتے ہیں۔نظام تعلیم اورنصاب تعلیم کی وحدت کوکامیابی کا ذریعہ قراردیتے ہوئے لکھتے ہیں:

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

"مسلمانوں کے اور اسلام کے بڑے کارناموں میں ایک کارنامہ تعلیمی نصاب کی وحدت ہے۔تاریخ گواہ ہے۔ کہ ان میں وہی تعلیم یافتہ تھے جو علماء کہلاتے تھے۔وہی علماء تھے جنہیں آج تعلیم یافتہ کہا جاتا ہے فلسفی بھی پیدا ہو رہے تھے اور ریاضی دان بھی،حکیم بھی اور مہندس بھی محدث بھی مفسر بھی،طبیب بھی،فقیہہ بھی،شاعر بھی،ادیب بھی،صوفی بھی لیکن یہ کیسی عجیب بات کہ تعلیم کا ایک نظام تھا۔"(۸۱)

تشکیل کردار اور تعمیر سیرت کے لیے مولانا گیلانی ؒ تعلیم و تعلم میں مادیت کو خارج کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں جب تک استاد اور شاگرد کے درمیان حرص اور لالچ رہے گا۔اس وقت تک خلوص اور للھیت قائم نہیں ہو سکتی۔جو کہ کردار سازی کے لیے بنیادی شرط ہے۔لکھتے ہیں:

"ہر قابل ذکر اسلامی ملک میں مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم میں قرآن (تفسیر) حدیث فقہ،عقائد کی علمی تعلیم،محبت اور بیعت کے ذریعے سے ہوائے دل کے تازہ واروں میں سیرت کی پختگی،کردار کی بہتری اور سب سے بڑی چیز بھی للّھیت یا اخلاص باللہ میں رسوخ کی کیفیت ہر زمانہ میں کی گئی ان پانچ چیزوں سے کسی زمانہ میں مسلمانوں کا تعلیمی نظام کبھی خالی نہیں رہا۔"(۸۲)

ذریعہ تعلیم:

جہاں تک ذریعہ تعلیم کا تعلق ہے۔سرسید احمد خاں سے لے کر مولانا گیلانیؒ تک سب اس بات پر متفق ہیں۔کہ ذریعہ تعلیم کے لیے اردو ہی بہترین ذریعہ تعلیم ہو سکتی ہے۔جبکہ ابتدائی تعلیم کے لیے مادری زبان کے استعمال کے زیادہ حق میں لوگوں کی رائے ہے۔انگریزی کو سمجھنے اور بطور زبان اس پر عبور حاصل کرنے کو ہر کوئی روا سمجھتا ہے۔

مولانا مودودیؒ انگریزی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اتنی استعداد تو بہر حال پیدا ہو جانی چاہیے کہ انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے کی صلاحیت اور سمجھنے کی صلاحیت انسان میں ہو"(۸۳)

مولانا گیلانی ؒ بھی انگریزی کو سمجھنے کے لیے بطور اختیاری مضمون کے پڑھنے کے حق میں ہیں۔اردو کو وہ ذریعہ تعلیم بنانا چاہتے ہیں۔لیکن وہ اس کے ساتھ ساتھ فارسی اور عربی دونوں زبانوں پر اردو کو قوی کرنے کے لیے عبور چاہتے ہیں۔(۸۴)

تعلیم نسواں:

سرسید احمد خان،علامہ اقبالؒ،مولانا مودودیؒ پروفیسر محمد سلیم کے علاوہ دوسرے مسلمان مفکرین بالعموم تعلیم نسواں کے حق ہیں۔اس کو دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔سرسید لکھتے ہیں:

"میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔کہ تم اپنا پرانا طریقہ تعلیم اختیار کرنے کی کوشش کرو وہی طریقہ تمہارے لیے دین و دنیا کی بھلائی کا پھل دے گا۔اور کانٹوں میں پڑنے سے محفوظ رہے گا۔"(۸۵)

عورت کی تعلیم کی نسبت میرے خیالات وہی ہے۔جو ہمارے قدیم بزرگوں کے جو جدید انتظام عورتوں کی تعلیم کا اس زمانے میں کیا جاتا ہے۔عورتوں کی تعلیم کے لیے مدرسوں کا قائم کرنا یورپ کے زمانہ مدرسوں کی تقلید کرنا موجودہ حالت کے کسی طرح مناسب نہیں اس کا میں مخالف ہوں۔(۸۶) ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"عورتوں کی تعلیم نیک اخلاق،نیک خلقت،خانہ داری کے امور،بزرگوں کا ادب،خاوند کی محبت،بچوں کی پرورش اور مذہبی عقائد کا جاننا چاہیے میں اس کا حامی ہوں۔اور اس کے سوا اور کسی تعلیم سے بیزار ہوں"(۸۷)

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

سرسید عورتوں کی واجبی تعلیم کے حق میں ہیں۔علامہ اقبال بھی مغربی تصور اور آزادی نسواں کے سخت خلاف تھے۔
فقیر وحید الدین کے مطابق:

"مغربی تعلیم کے زہریلے ناگ نے مسلم معاشرے میں جس تباہی کا آغاز کیا تھا اس میں عورت کی حیثیت کو بھی مجروح کیا۔وہ گھر کی چاردیواری سے باہر نکل آئی۔مرد کے ساتھ گردش زمانہ میں بھاگ دوڑ کرنے لگی۔اپنے بنیادی فرض ،''امومیت'' کو بھول بیٹھی۔عورت کا اصل مقام آئندہ نسل کی تربیت ہے۔اسے ٹائپسٹ یا کلرک بنادینا نہ صرف قانون فطرت کی خلاف ورزی ہے بلکہ انسانی معاشرہ کو درہم برہم کرنے کی افسوس ناک کوشش بھی۔"(۸۸)

علامہ اقبال جدید انداز فکر کے تحت اختلاطِ مرد وزن کے خلاف ہیں بلکہ اس طرح سے تعلیم دینے کو روا نہیں سمجھتے۔
لکھتے ہیں:

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن — بے گانہ رہے دین سے اگر مدرسہ زن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت — ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت (۸۹)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی تعلیمِ نسواں کے حوالے سے متوازن سوچ کے حامل ہیں۔لکھتے ہیں:

"ہمیں عورتوں کی تعلیم کے لیے بھی اسی طرح بہتر سے بہتر انتظام کرنا ہے۔جیسا مردوں کی تعلیم کے لیے یہاں تک ہمیں ان کی فوجی تربیت کا بھی بندوبست کرنا ہے کیونکہ ہمارا سابقہ ایسی ظالم قوموں سے ہے جنہیں انسانیت کی کسی حد کو بھی پھاندنے میں تامل نہیں ہے۔لیکن اول و آخر مسلمان ہیں اور جو کچھ بھی کرنا ہے ان اخلاقی قیود اور تہذیبی حدود کے اندر رہتے ہوئے کرنا ہے جن پر ایمان رکھتے ہیں اور جنگی علمبرداری پر ہم مامور ہیں"(۹۰)

مولانا عورتوں کی تعلیم کو اتنا ضروری خیال کرتے ہیں جتنا مردوں کی۔مگر ان کے دائرہ کار میں فرق ہے۔ان کو گھر کا نظام اور انسان سازی کی تربیت دی جانی چاہیے۔(۹۱)

پروفیسر سید محمد سلیم بھی مولانا مودودیؒ کی طرح تعلیم نسواں ضروری قرار دیتے ہیں ،وہ لکھتے ہیں:

"عورت کی اصل کاریگری انسان سازی ہے۔عربی زبان کا مقولہ ہے۔''الام مدرستہ''عورت ایک درس گاہ ہے۔ دنیا میں کوئی فرد بشر ایسا نہیں ہے۔جس نے عورت کی درس گاہ سے تحصیل علم اور تربیت حاصل نہ کی ہو۔اگر عورت تعلیم یافتہ ہے تو سونے پر سہاگہ۔وہ سب سے بہتر مربّی اور سب سے بہتر معلم ہے"(۹۲)

پروفیسر سید محمد سلیم عورتوں کو جداگانہ تعلیم دینے کے حق میں تھے۔

حیرت کی بات ہے کہ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کے لٹریچر میں تعلیم نسواں کا تذکرہ کہیں نہیں ملتا۔کہ جس سے اندازہ ہوسکے کہ آیا وہ اس کے حق میں تھے یا مخالف تاہم یہ بات غالباً کہی جاسکتی ہے۔کہ وہ عورتوں کی تعلیم کو ضروری خیال نہیں کرتے تھے۔مگر ابتدائی اور لازمی تعلیم دینی اور دینوی کے بارے میں ان کا خیال اخذ کردہ یہی ہے کہ وہ اس کو ضروری سمجھتے تھے۔

مولانا گیلانیؒ کی انفرادیت:

مولانا گیلانی اور دوسرے مسلم مفکرین کے نظریات تقریباً ملتے جلتے ہیں۔بعض گوشے ایسے ہیں جو ان کو دوسرے مفکرین سے منفرد کرتے ہیں۔ان میں درج ذیل اہم ہیں۔

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

نمبر۱۔ نظریۂ وحدت تعلیم
نمبر۲۔ اسلامی اقامت خانے
نمبر۳۔ تصوف کی تعلیم و تربیت
نمبر۴۔ تعلیم کا غیر تجارتی بنیادوں پر استعمال
نمبر۵۔ نظم و نسق مدرسہ میں انفرادیت

حاصل بحث:

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا گیلانی ؒ کے تعلیمی افکار نہایت قابل قدر اور منفرد نوعیت کے ہیں۔ ان کو اپنا کر بہت ساری تربیتی کمزوریوں پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ مگر ایک بات جو ہمیں سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے یہ دعویٰ ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ اگر یہ حقیقت ہے کہ تو پھر ہمیں اسلام کے تعلیمی نظام کو اپنانے میں کونسی چیز حائل ہوتی ہے۔ وہ تعلیمی نظام جو برصغیر کے مسلمان قدیم زمانے میں سے اپنائے ہوئے تھے۔ جس پر آج بھی فخر کیا جاتا ہے، کہ جس سے پڑھ کر نکلنے والے دنیا کی عظیم شخصیات کی حیثیت اختیار کرتے ہیں۔ وہ بہترین استاد طبیب، حکیم، سائنس دان، شاعر، ادیب اور رہنماؤں کے طور پر منظر عام پر آتے ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہوئی کہ ہمیں اس نظام تعلیم اور نصاب میں تبدیلی اور پیوندکاری کی ضرورت محسوس ہوئی۔ بجائے اس کہ ہم اس نصاب تعلیم اور طریقہ تعلیم پر تحقیق اور جستجو سے زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرتے۔ ہم نے کیوں اسی نصاب کو جمود کا شکار کرتے ہوئے ناقص قرار دے کر اس کو انگریز کے دیے ہوئے نظام سے ہم آہنگ کرنے کی معذرت خواہانہ کوشش کی ہے۔

مولانا گیلانی ؒ نے جو نظریہ وحدت تعلیم پیش کیا ہے۔ وہ دراصل انگریز کے برصغیر پر اپنا غلبہ قائم کرنے کے بعد کے حالات کا نتیجہ ہے۔ کہ جب ہر طرف سے مسلمانوں کا اپنی تہذیب و ثقافت پر قائم رہ کر ترقی کرنا ناممکن بنا دیا گیا تھا۔ زمانے کی اس نئی روش کا تقاضا تھا کہ ایسا راستہ نکالا جائے جہاں مسلمانوں کے لیے اپنے عقاید پر یکسوئی کے ساتھ ساتھ ترقی کی منازل طے کرنا نسبتاً آسان ہو جائے۔ چنانچہ اسی سوچ کی بنیاد پر انہوں نے انگریزوں کے مسلط کردہ نظام اور نصاب تعلیم کو جس میں بنیادی اسلامی تعلیمات عقاید، اور قرآن و حدیث کے کماحقّہ علم پر دسترس کا راستہ نکل آئے۔ جبکہ نظام باطلہ کے مضر اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے انہوں نے اقامتی اداروں (اسلامی ہاسٹلز) کی تجویز دی ہے۔ جو کہ ان کے نزدیک کردار سازی کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں۔ ان کی تجاویز قابل غور ہیں لیکن شاید عملی طور پر ان پر عمل درآمد میں کئی مسائل و مشکلات درپیش ہیں اسی بنا پر ابھی تک پوری شدومد سے اس پر عملدرآمد نہ ہو سکا۔

مولانا گیلانی ؒ کی ایک اور اہم بات تعلیم کو تجارت سے بچانا اور باطنی صفائی یعنی تزکیہ نفس کا مدارس میں ایسا ماحول پیدا کرنا ہے کہ جس سے گزر کر طلبہ نہ صرف علم کے زیور سے آراستہ و پیراستہ ہوں بلکہ اخلاق، للھیّت تقویٰ اور کردار کی دولت سے بھی اپنے آپکو مزین کر سکیں۔

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

حواشی وحوالہ جات

۱۔ گیلانی، مناظر احسن، مولانا، سید، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۴۴ء، ص ۳۴۹

۲۔ گیلانی، مناظر احسن، پاک وہند میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ص ۳۲۶

۳۔ دریابادی، عبدالماجد، مولانا، تبصرہ کتب، صدق جدید، ہفت روزہ لکھنؤ، ج ۱۶، ش ۲۴، ۶ مئی ۱۹۶۶ء

۴۔ ایضاً

۵۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانی شخصیت اور سوانح، ص ۶۲

۶۔ سید محبوب رضوی، تاریخ دارالعلوم دیوبند، اشوک پریس، دہلی

۷۔ محمد سلیم، سید، پروفیسر، مسلمان اور مغربی تعلیم (برصغیر پاک وہند میں)، ادارہ تعلیمی تحقیق تنظیم اساتذہ، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۱۷

۸۔ ایضاً، ص ۷۵

۹۔ پروفیسر سید محمد سلیم، مسلمان اور مغربی تعلیم، ص ۷۹

۱۰۔ محمد سلیم، سید، پروفیسر، ہندوپاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ادارہ تعلیمی تحقیق، تنظیم اساتذہ، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۱۸۱

۱۱۔ صدیقی، محمد عتیق، ڈاکٹر گلکرسٹ اور اس کا عہد، علی انجمن ترقی اردو ہند علیگڑھ، تنظیم اساتذہ، ص ۱۳۹

12 Basic, B.D, History of education in India under the east India company, caclutta,1992 P- 111

۱۳۔ محمد اکرام شیخ، موجِ کوثر، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۰۳ء، ص ۶۰

۱۴۔ پروفیسر سید محمد سلیم، مسلمان اور مغربی تعلیم، ص ۱۸۵

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۸۶ ۱۶۔ ایضاً، ص ۱۹۴۔۱۹۶

۱۷۔ سرسید احمد خاں، مقالاتِ سرسید (مرتبہ مولانا محمد اسماعیل پانی پتی) مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۱۳۱

۱۸۔ مسلمان اور مغربی تعلیم، ص ۲۰۲، ۲۰۳

۱۹۔ سید محمد سلیم، ہندوپاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ادارہ تعلیمی تحقیق تنظیم اساتذہ، پاکستان، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۲۵۲

۲۰۔ ایضاً، ص ۲۵۲ ۲۱۔ سید محمد سلیم، ہندوپاکستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ص ۲۵۳

۲۲۔ مولانا گیلانیؒ، پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ص ۹

۲۳۔ گیلانی، مناظر احسن، مولانا، سید، پاک وہند میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن، ص ۹

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۴ ۲۵۔ مولانا گیلانی، پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ص ۱۰

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۲ ۲۷۔ سید محمد سلیم، ہندوپاک میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت، ص ۵

۲۸۔ معارف، ماہنامہ، اعظم گڑھ، ج ۵۶، ش ۱، جولائی ۱۹۴۵ء

۲۹۔ معارف، ماہنامہ، اعظم گڑھ، ج ۵۶، ش ۱، جولائی ۱۹۴۵ء

۳۰۔ سید محمد سلیم، مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ص ۶

۳۱۔ مولانا گیلانی، پاک وہند مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ص ۸ ۳۲۔ ایضاً

۳۳۔ مولانا گیلانی، نظام تعلیم وتربیت، ص ۹

۳۴۔ گیلانی، مکارم احسن، سید، مسلم ہاسٹل یا یادگارِ گیلانی، صدقِ جدید لکھنؤ، ج ۶، نمبر ۴۴، ۲۸ ستمبر ۱۹۵۶ء

۳۵۔ مولانا گیلانی، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ص ۱۰/۲

۳۶۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، مضامین سرسید، مکتبہ خیابان ادب، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص ۵۵

۳۷۔ منور ابن صادق، تعلیم وتعلم، صادقیہ پبلیکیشنز، لاہور، ص ۱۲۶۔۱۲۷

۳۸۔ مودودی ابوالاعلیٰ، سید، قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، مکتبہ جماعت اسلامی، پٹھانکوٹ، ص ۶۴

۳۹۔ محمد سلیم، سید، قرآن کا تصور تعلیم، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، باردوم، ۱۹۸۳ء، ص ۳

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

۴۰۔ ایضاً،ص۴ ۴۱۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت،ص۲/۲

۴۲۔ محمد سلیم،سید،مسلمان اور مغربی تعلیم،لاہور،ادارہ تعلیمی تحقیق،۱۹۸۹ء،ص۱۳

۴۳۔ زاہدالراشدی،ابوعمار،علامہ،دینی مدارس اور عصر حاضر،(مرتب:شبیر احمد خاں میواتی)،الشریعہ اکادمی،گوجرانوالہ،۲۰۰۷ء،ص۲۳

۴۴۔ پانی پتی،محمد اسماعیل،مولانا (مرتب)،مقالاتِ سرسید،مجلس ترقی ادب،لاہور،۱۹۵۹ء،ص۱۷۴،۱۷۳

۴۵۔ سرسید احمد خان،تفسیر القرآن،دوست ایسوسی ایٹس،لاہور،۱۹۹۴ء،۳۹/۱

۴۶۔ رضوی،سجاد باقر،ڈاکٹر،اقبال اور عرضِ حال،اقبال اکادمی،لاہور،پاکستان،۱۹۹۴ء،ص۶۱

۴۷۔ محمد اقبال شیخ،کلیات اقبال،الفیصل ناشران وتاجران کتب،لاہور،۱۹۹۶ء،ص۲۲۰

۴۸۔ مودودی،ابوالاعلیٰ،سید مولانا،تفہیم القرآن،لاہور ادارہ ترجمان القرآن،۲۲۳/۴

۴۹۔ مودودی،ابوالاعلیٰ سید مولانا،تفہیم القرآن،ادارہ ترجمان القرآن،لاہور،۲۰۰۰ء،۱۸۷/۶

۵۰۔ سید محمد سلیم،قرآن کا تصور تعلیم،ص۵،۶ ۵۱۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت،۳۰۱/۱

۵۲۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت'،۳۰۵/۱

۵۳۔ عبدالرشید ارشد،پاکستان میں تعلیم کا ارتقاء،ادارہ تعلیمی تحقیق،لاہور،۱۹۹۵ء،ص۸۳

۵۴۔ عہد نبوی کا تعلیمی نظام،ص۴۶ ۵۵۔ مکتوبات سرسید،ص۲۲۶

۵۶۔ اقبال کا فلسفۂ تعلیم،ص۹۵:مقالاتِ اقبال،ص۹ ۵۷۔ اقبال کے تعلیمی نظریات (اقبال شناسی اور افشاں)،ص۱۲۱

۵۸۔ صدیقی بختیار حسین،اقبال بحیثیت مفکر تعلیم،اقبال اکادمی،لاہور،۱۹۸۳ء،ص۱۰۹

۵۹۔ اقبال کا فلسفہ تعلیم،۹۷؛ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر،۱۸ ۶۰۔ اقبال بحیثیت مفکر تعلیم ص۱۰۹

۶۱۔ مودودی،ابوالاعلیٰ،سید،مولانا،تعلیمات،اسلامک پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۶ء،ص۱۰۹۔۱۱۰

۶۲۔ تعلیمات،ص۱۱۰ ۶۳۔ تعلیمات،ص۱۱۲

۶۴۔ سید محمد سلیم،پروفیسر،اسلام کا نظریہ تعلیم ص۶،۵ ۶۵۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت،ص۵/۲

۶۶۔ العلق،۹۶:۵ ۶۷۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت،۳۰۲/۱

۶۸۔ ایضاً،۷/۲ ۶۹۔ ایضاً،۷/۲

۷۰۔ البقرہ،۲:۲۰

۷۱۔ صفدر علی،پروفیسر،امام غزالی کا تعلیمی نظریہ،تعلیمات،ماہنامہ،لاہور،ج۱۰،ش۷،۸،جولائی اگست ۱۹۸۷ء،ص۱۱

۷۲۔ ندوی ابوالحسن علی،سید،مولانا،مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش،مجلس تشریات اسلام،کراچی،س ن،ص۲۵۲

۷۳۔ صدیقی،عبدالحمید،پروفیسر،پاکستان کا مطلوب شہری،افکار معلم،ماہنامہ،لاہور،جلد۱شمارہ۴،ستمبر۱۹۹۸ء،ص۳۰

۷۴۔ مقالات سرسید،ص۸۲،۸۰،۷۹ ۷۵۔ اقبال بحیثیت مفکر تعلیم،ص۶۰۔۶۲

۷۶۔ تعلیمات،ص۱۲۲ ۷۷۔ ایضاً،ص۱۱۸

۷۸۔ ایضاً،ص۱۱۳

۷۹۔ سید محمد سلیم،پروفیسر،مغربی نظام تعلیم پر تنقید وتبصرہ،ادارہ تعلیمی تحقیق،لاہور،۱۹۸۹ء،ص۶۹

۸۰۔ مولانا گیلانیؒ،ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت،ص۶/۲

۸۱۔ ایضاً،ص۲۳۸/۱ ۸۲۔ مولانا گیلانی،ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت،ص۱۱۱/۱

۸۳۔ مودودی،تعلیمات،ص۳۲

۸۴۔ مولانا گیلانی،ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت،۱۳/۲

۸۵۔ تذکرہ سرسید،ص۱۳۲ ۸۶۔ ایضاً،ص۲۷۹/۲

۸۷۔ ایضاً،ص۲۷۹/۲ ۸۸۔ روزگار فقیر،۴۴/۱

۸۹۔ کلیات اقبال،۴۶۱ ۹۰۔ تعلیمات،۱۶۳

۹۱۔ تعلیمات،ص۱۶۳،۱۶۴ ۹۲۔ عورت حقیقت خاندانی کردار اور تعلیم،ص۱۱۴

This document was created by an application that isn't licensed to use novaPDF.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.